رفعت مرتضٰی

# وقت کب سنتا ہے

میں رو نہیں رہی

میں ابھی تک ایک آنسو بھی بہا نہیں پائی

صرف میری آنکھوں میں جلن سی ہے اور کبھی کبھی دھندلا نظر آنے لگتا ہے

گلے میں بھی کچھ پھنسا ہوا ہو جیسے

لوگ تعزیتی پیغامات درج کرانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں ایک ہی بات کئی کئی بار کہہ رہے ہیں

بڑے بڑے بھاری بھر کم الفاظ ہیں قریبی تعلقات کے دعوے اور قصے بھی

اور میں ؟ نہ میرے پاس لفظ ہیں اور نہ ہی لگتا ہے کہ میرے منہ میں زبان ہے

صرف ایک آدھا لکھا خط میرے سامنے ہے

دنوں کی بے رحم اور خود غرض مصروفیت کا مارا خاموش میرے قلم کی راہ دیکھتا ہوا

اور میں ؟ فون اور گروسری اور پکوان اور آنا جانا اور گھر کے سامنے اُگے اوک کے بڑے درخت کی شاخوں میں کھیلتی اور بھاگتی اور بھاگتے میں پھسل کر نیچے گھاس پر آ گرتی گلہریوں پر ہنستی یہ بھول گئی کہ وقت کی عادت نہیں کہ رک جائے ٹھہر جائے انتظار ہی کر لے کچھ دیر

یہ ادھ لکھا خط اس خط کے جواب میں تھا جو میرے ڈیسک کے سیدھے ہاتھ کے پہلے خانے میں رکھا ہے

اس میں شکائت ہے کہ میں خط لکھنے میں دیر کیوں کرتی ہوں اس میں محبت ہے کہ کب مانوں گی کب سمجھوں گی ”یہ تعلق یہ اُنس یہ محبت معمولی نہیں میں اب بہت بیمار رہنے لگا ہوں آئے دن اسپتال کا چکر رہنے لگا ہے تمہارا خط آجاتا ہے تو تقویت محسوس ہونے لگتی ہے جلدی لکھا کرو“ اور میں آدھا خط لکھ کر بھول گئی کہ اس کو پورا بھی کرنا ہے

میں پہلے بھی اُن سے اُلجھ چکی تھی اس بات پر کہ کمپیوٹر کیوں استعمال کرنا سیکھتے نہیں

بوڑھا ہوں اب یہ میرے بس کا نہیں

آپ نے استعمال کرنے کی کوشش کی

نہیں

پھر کیسے پتہ کہ آپ کے بس کا نہیں سوچئے ذرا سوچئے اس سہولت کا سوچئے جو آپ کو کمپیوٹر کی وجہ سے ملے گی

ادھر لکھا اُدھر آپ کے پاس پہنچ گیا کبھی سوچا ؟

تو پھر انتظار کون کرے گا ؟ یاد کون کرے گا ؟ انتظار میں جو مزا ہے اُس کا کیا ہو گا ؟

زندگی کی بے ڈھنگی چال دنوں کی رس گہما گہمی یہ سب سہولت کے بارگین کی عطا ہے کہ ان کی یہ بات سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی اور اب قطرہ قطرہ کہیں من کے اندر گرتے آنسو لئے بیٹھی ہوں اور نہیں جانتی کہ حلق میں جو اک گولہ سا پھنسا ہے اسکا کیا کروں گی سمجھ میں آنا کیوں مشکل تھا کہ وہ اب واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اپنے آس پاس کے اندر، وہ خوش ہیں' محفوظ ہیں اور کوئی ہلچل نہیں چاہتے۔ غلطی انہیں کی تھی۔ اس عمر میں بھی کہ جب لوگ اپنی ساری توانایاں خرچ کر دینے کے بعد دوسری منزل کے انتظار میں بیماریوں اور خودرحمی و خود ترسی کی پوٹلیاں سرہانے رکھ کر دروازے کی طرف منہ کر کے لیٹ جاتے ہیں یہ کہانیاں لکھ رہے ہیں، غزلیں کہہ رہے ہیں، نظمیں لکھ رہے ہیں، اداریئے، کالم اور سب سے بڑھ کر فنون کی ادارت جس کے ذیل میں انہوں نے کہا تھا ہر پرچہ پریس میں بھیجنے سے پہلے وہ اس کے لئے چنی گئی ہر تحریر لفظ بہ لفظ خود پڑھتے ہیں۔ مدیر ہونے کے حوالے سے یہ ان کی ذمہ داری تو سمجھی جائے گی مگر میں اس کو لفظ سے ان کی کومٹ منٹ کہوں گی جو انہوں نے رہتی سانس تک نبھائی۔ اب ایسے کون سوچ بھی سکتا تھا کہ وہ یوں چپکے سے اٹھ کر چلدیں گے۔ کچھ تو اشارہ دیا ہوتا، کچھ تو کہا ہوتا۔ وہ تو کہہ رہے ہیں،

''.....اس دوران آپ کو ایک مفصل خط..بلکہ مفصل محبت نامہ لکھا تھا اور مجھے اس کی رسید کا انتظار تھا۔ آپ مجھے بے حساب عزیز ہیں اور آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ میرے اور آپ کے درمیان ہمالہ بھی نہیں آ سکتا۔''

اور صبح میں میری آنکھ کھلنے پر پہلی خبر جو مجھے دی جاتی ہے وہ کچھ یوں ہے سنو، قاسمی صاحب گذر گئے۔ وہ کیوں؟ میں نیند کے غبار سے نکلنے کی کوشش کرتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ ....کہہ رہا ہوں کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے

وہ تو ہونا ہی تھا۔ میں خود سے کہتی ہوئی بستر سے نکل جاتی ہوں۔ ابھی دل میں افسوس نہیں غصہ ہے۔ افسوس کے لئے ابھی وقت پڑا ہے۔ دو ہزار چھ کا سال۔۔۔ان کی زندگی کا آخری سال۔ جس میں ہمارے۔ ان کے اور میرے۔ بہت سے جاننے والے اُن سے ناراض ہوئے ایک اُن میں بھی تھی۔ مجھے تو جواب میں انہوں نے لکھا '' .....لوگ خفا ہوتے رہے ہیں مگر آپ کی خفگی میرے لئے قیامت ثابت ہوئی کہ آپ مجھے ہمیشہ بہت بہت عزیز رہی ہیں۔ افسانہ نگاری کے علاوہ آپ کی شخصیت بھی مجھے عزیز ہے کہ آپ صحیح معنوں میں ایک بڑی تخلیق کار ہیں.....'' ایک بڑے تخلیق کار کے قلم سے لکھی گئی اس بات نے مجھے راضی کر لیا ویسے بھی زیادہ دن ان سے ناراض رہنا ممکن نہیں تھا پتہ نہیں کیوں ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کی دیواریں کھڑی کرتے رہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ حیات مختصر ہے' دوام کسی شے کو نہیں ۔نوّے برس کا ایک شخص جس نے تمام عمر لفظ کی حفاظت کی' نوک پلک سنوارنے کی روائت کو آگے بڑھایا ' غلط کو غلط کہنے سے رکا نہیں اور سچ کو چھپایا نہیں اس سے ناراض ہونا ہی ہے تو پھر ناراضگی کی وجہ کا شایان ہونا بھی ضروری۔ نوے برس۔ جس کے بعد ہر دن ایک انعام، ایک تحفے کی مانند ملتا ہے ' جس کے بعد ہر لمحہ ایک عید کی طرح منانے کے لئے ہوتا ہے اسلئے کہ کس کو خبر کہ کچھ کہنے کچھ سننے کے لئے کس کے پاس کتنا وقت رہ گیا ہے مگر ہم ہیں کہ ناراض ہو رہے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑی بڑی اناؤں کے ساتھ ناراض ہو رہے ہیں۔ کوئی کہاں تک سنے ' سہے گا ۔ تھک کے پیر لمبے کر کے لیٹ نہ جائے تو کیا کرے۔ یا شائد یہ میری اُن

سے محبت مجھ سے لکھوا رہی ہے....شائد وہ جیسے مجھے منا لیتے تھے ویسے ہی دوسروں کے شکوے بھی دور کر دیتے ہوں گے۔اُن ہی نے تو کہا۔ تو میرا نامہء اعمال تو دیکھ میں نے انساں سے محبت کی ہے

بس ایک بار ایک صاحب کا نام لے کر کہا تھا

''..... وہ صاحب جنہوں نے ای میل (انٹرنیٹ) پر مجھ پر الزامات دھرے تھے وہ نہ جانے کون ہوں گے مگر میں الزامات سننے کا عادی ہو چکا ہوں۔ حضرت علیؓ نے بالکل درست فرمایا تھا کہ جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچے رہنے کی کوشش کرو.....

ایک شعر سنو ۔ عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن

یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ''

پاکستان کے شمالی علاقوں میں زلزلہ آیا تو اس سلسلے میں لکھے گئے میرے خط کے جواب میں لکھتے ہیں '' امداد کا اچھا خاصا کام ہو رہا ہے یہ کام یقیناً معیاری نہیں ہے مگر یہ بھی نہیں کہ امدادی مال لٹ رہا ہے۔رہی ہماری فوج تو اس نے کمال کا کام کیا ہے۔انہیں تو جی کھول کر داد ملنی چاہئے۔''

فنون میں لکھنے والوں کو میں نے فنون برادری کا نام دے رکھا تھا۔ زلزلے کے بعد میں نے نام بہ نام سب کے بارے میں پوچھا تو کہا

'' محمد کاظم تو ماشااللہ لاہور میں ہیں اور ایک عمدہ مکان میں رہتے ہیں۔ویسے بھی بہاولپور کے رہنے والے ہیں۔رہے آصف ثاقب اور افتخار مغل اور محمد ارشاد وغیرہ تو وہ سب اللہ کے فضل سے سلامت ہیں البتہ بیشتر کے مکان گر گئے ہیں اور اگر پوری طرح گرے نہیں تو دیواریں پھٹ گئی ہیں.....''

یہ ہی خط تھا کہ جس کا جواب ادھورا پڑا ہے

( پسِ تحریر )

میرا عقیدہ مجھ سے کہتا ہے ''مرے ہوؤں کو مرا ہوا نہ سمجھو'' اسی لئے وہ خط جو ان کے خط کے جواب میں لکھنا شروع کیا تھا اور ادھورا پڑا تھا وہ کل رات میں نے مکمل کر کے اپنی یادداشت میں محفوظ کر دیا ہے۔ وہ اسے پڑھ لیں گے۔ انہوں نے خود بھی تو یہی کہا تھا جب کہا۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا

میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

خواتین و حضرات ۱۰ جولائی ۲۰۰۶ کو قاسمی صاحب سمندر میں اتر گئے